محمد عمار خان ناصر

علمِ حدیث میں درایتی نقد کا تصور

(۲)

اکابر اہل علم کی آرا میں نقد درایت کی مثالیں

محدثین نے جہاں روایت کی سند کی تحقیق کے سلسلے میں گراں قدر اصول وضع کیے ہیں، وہاں روایت کے متن کی تنقید کے سلسلے میں درایت کی اہمیت بھی تسلیم کی ہے۔ محدث عمر بن بدر الموصلی لکھتے ہیں:

لم یقف العلماء عند نقد الحدیث من حیث سندہ بل تعدوا الی النظر فی متنہ فقضوا علی کثیر من لاحادیث بالوضع وان کان سندا سالما اذا وجدوا فی متونہا عللا تقضی بعدم قبولھا۔ (تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار ۱۷۹)	’’علما نے نقد حدیث کے معاملے میں صرف سند پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس دائرے میں متن کو بھی شامل کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے بہت سی ایسی حدیثوں کو موضوع قرار دیا ہے جن کی سندیں اگرچہ درست ہیں، لیکن ان کے متن میں ایسی خرابیاں پائی جاتی ہیں جو ان کو قبول کرنے سے مانع ہیں۔‘‘

اس مقصد کے لیے جو چیزیں کسوٹی کا کام دے سکتی ہیں، ان کا ذکر کرتے ہوئے جلیل القدر محدث خطیب بغدادی اپنی کتاب ’’الفقیہ والمتفقہ‘‘ میں لکھتے ہیں:

واذا روی الثقۃ المامون خبرا متصل الاسناد رد بامور: احدھا ان یخالف موجبات العقول فیعلم بطلانہ لان الشرع انما یرد بمجوزات العقول واما	’’جب کوئی ثقہ اور مامون راوی ایسی روایت بیان کرے جس کی سند بھی متصل ہو تو اس کو ان امور کے پیش نظر رد کر دیا جائے گا: ایک یہ کہ وہ تقاضاے عقل کے خلاف ہو۔ اس سے اس کا باطل ہونا معلوم ہوگا،

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بخلاف المعقول فلا۔ والثانی ان یخالف نص الکتاب او السنة المتواترة فیعلم انه لا اصل له او منسوخ۔ والثالث ان یخالف الاجماع فیستدل علی انه منسوخ اولا اصل له لانه لا یجوز ان یکون صحیحا غیر منسوخ وتجمع الامة علی خلافه۔ ...... والرابع ان ینفرد الواحد بروایة ما یجب علی کافة الخلق علمه فیدل ذلك علی انه لا اصل له لانه لا یجوز ان یکون له اصل وینفرد هو بعلمه من بین الخلق العظیم۔ والخامس ان ینفرد بروایة ما جرت العادة بان ینقله اهل التواتر فلا یقبل لانه لا یجوز ان ینفرد فی مثل هذا بالروایة۔ (۱۳۲/۱)

کیونکہ شریعت عقل کے تقاضوں کے مطابق وارد ہوتی ہے نہ کہ عقل کے خلاف۔ دوسرے یہ کہ وہ کتاب اللہ کی نص یا سنت متواترہ کے خلاف ہو۔ اس سے معلوم ہوگا کہ اس کی کوئی اصل نہیں یا وہ منسوخ ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ اجماع کے خلاف ہو۔ یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ وہ منسوخ ہے یا اس کی کوئی اصل نہیں، کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ صحیح اور غیر منسوخ ہو اور امت کا اس کے خلاف اجماع ہو جائے۔ چوتھے یہ کہ ایسے واقعہ کو صرف ایک راوی بیان کرے جس کا جاننا تمام لوگوں پر واجب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی کوئی اصل نہیں، کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس بات کی کوئی اصل ہو اور تمام لوگوں میں سے صرف ایک راوی اس کو نقل کرے۔ پانچویں یہ کہ ایسی بات کو صرف ایک آدمی نقل کرے جس کو عادتاً لوگ تواتر کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ یہ بھی قبول نہیں ہوگی، کیونکہ جائز نہیں کہ ایسے واقعہ کو نقل کرنے والا صرف ایک آدمی ہو۔"

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس فہرست میں کئی اور چیزوں کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے، لیکن ہمارے خیال میں امام ابن الجوزی نے اس بحث کو نہایت خوبصورت طریقے سے اپنے مختصر اور جامع الفاظ میں سمیٹ دیا ہے:

ما احسن قول القائل: اذا رایت الحدیث یباین المعقول او یخالف المنقول او یناقض الاصول فاعلم انه موضوع۔ (تدریب الراوی، السیوطی ۲۷۷/۱)

"کسی کہنے والے نے کتنی اچھی بات کہی ہے کہ جب تم دیکھو کہ ایک حدیث عقل کے خلاف ہے یا ثابت شدہ نص کے مناقض ہے یا کسی اصول سے ٹکراتی ہے تو جان لو کہ وہ موضوع ہے۔"

اب وہ مثالیں ملاحظہ کیجیے، جن میں مذکورہ اصولوں کو برتتے ہوئے جلیل القدر اہلِ علم نے درایتی معیار پر پورا نہ اترنے والی بہت سی روایات کو ناقابل قبول قرار دیا ہے، اگرچہ ان کے راوی نہایت ثقہ اور اسانید بالکل متصل ہیں۔

مسلمات دین کے خلاف روایات

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے روایت ہے:

کان فی ما انزل من القرآن عشر رضعات معلومات یحرمن ثم نسخن بخمس معلومات فتوفی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھی فی ما یقرا من القرآن۔ (مسلم، رقم ۳۵۹۷)

''قرآن مجید میں پہلے یہ حکم نازل ہوا تھا کہ دس مرتبہ کسی عورت کا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ پھر اس حکم کو منسوخ کر کے پانچ مرتبہ دودھ پینے کو باعث حرمت قرار دیا گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو یہ حکم قرآن مجید کی آیات میں شامل تھا۔''

امام ابوبکر الجصاص اس پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما حدیث عائشة فغیر جائز اعتقاد صحته علی ما ورد .... ولیس احد من المسلمین یجیز نسخ القرآن بعد موت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلو کان ثابتا لوجب ان تکون التلاوة موجودة۔ (ابوبکر الجصاص، احکام القرآن ۱۲۵/۳)

''اس حدیث کو صحیح خیال کرنا درست نہیں، کیونکہ کوئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی وفات کے بعد قرآن میں نسخ کو جائز نہیں مانتا۔ اگر یہ روایت درست ہوتی تو مذکورہ حکم کی آیت قرآن میں موجود ہوتی۔''

اس روایت کے بارے میں یہی رائے امام سرخسی اور امام طحاوی کی ہے۔[9]

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لبید بن اعصم یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا جس کا اثر آپ پر اس طرح ظاہر ہوا کہ آپ نے ایک کام نہیں کیا ہوتا تھا، لیکن سمجھتے کہ اسے کر چکے ہیں۔[10]

امام ابوبکر الجصاص اس روایت کی سخت الفاظ میں تردید کرتے ہیں:

ومثل ھذه الاخبار من وضع الملحدین ..... والعجب ممن یجمع بین تصدیق الانبیاء علیھم السلام واثبات

''اس طرح کی روایات ملحدین کی وضع کردہ ہیں۔ ان لوگوں پر تعجب ہے جو انبیا کی تصدیق کرنے اور ان کے معجزات کو ماننے کے ساتھ ساتھ یہ بھی مانتے ہیں کہ

9۔ السرخسی، اصول السرخسی ۷۹/۲، ۸۰۔ الطحاوی، مشکل الآثار ۶/۳۔

10۔ مسلم، رقم ۵۷۰۳۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

معجزاتهم و بين التصديق بمثل هذا من فعل السحرة۔ (احکام القرآن ۱/۴۶)

جادوگر انبیا کے ساتھ ایسا کر سکتے ہیں۔''

صحیح مسلم میں حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک جھگڑے کے سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

اقض بيني و بين هذا الكاذب الآثم الغادر الخائن۔ (مسلم، رقم ۴۵۷۷)

''میرے اور اس جھوٹے، گناہ گار، بدعہد اور خائن کے درمیان فیصلہ کیجیے۔''

امام نووی، علامہ مازری سے نقل کرتے ہیں:

هذا اللفظ الذى وقع لا يليق ظاهره بالعباس و حاش لعلى ان يكون فيه بعض هذه الاوصاف فضلا عن كلها ولسنا نقطع بالعصمة الا للنبى و لمن شهد له بها لكنا مامورون بحسن الظن بالصحابة رضى الله عنهم اجمعين و نفى كل رذيلة عنهم و اذا انسدت طرق تاويلها نسبنا الكذب الى رواتها۔ (النووی، شرح صحیح مسلم ۱۲/۷۲)

''اس روایت میں واقع یہ الفاظ بظاہر حضرت عباس سے صادر نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ بات ناقابلِ تصور ہے کہ سیدنا علی کی ذات میں ان میں سے کوئی ایک وصف بھی پایا جائے، چہ جائیکہ تمام اوصاف۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان لوگوں کے علاوہ جن کے بارے میں آپ نے جھوٹ سے محفوظ ہونے کی شہادت دی ہے، ہمارا کسی کے بارے میں بھی معصوم ہونے کا عقیدہ نہیں ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ صحابہ کے بارے میں حسن ظن رکھیں اور ہر بری بات کی ان سے نفی کریں۔ چونکہ روایت میں تاویل کی کوئی گنجایش نہیں، اس لیے ہم اس روایت کے راویوں کو ہی جھوٹا قرار دیں گے۔''

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کو دیکھیں گے کہ ان پر ذلت اور سیاہی چھائی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ یا اللہ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے دن تمھیں رسوا نہیں کروں گا اور باپ کی رسوائی سے بڑھ کر کیا رسوائی ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر رکھا ہے۔[۱۱]

۱۱؎ بخاری، رقم ۴۷۶۸، ۴۷۶۹۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

امام اسماعیلی فرماتے ہیں:

هذا خبر فی صحته نظر من جهة ان ابراهيم علم ان اللّٰه لا يخلف الميعاد فكيف يجعل ما صار لابيه خزيا مع علمه بذالك۔ (فتح الباری ۸/۵۰۰)

''اس روایت کی صحت میں اشکال ہے، کیونکہ ابراہیم علیہ السلام جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا تو ان کے والد کا جو انجام ہوا، اس کو وہ کیسے اپنی رسوائی قرار دے سکتے (اور اللہ تعالیٰ سے وعدہ خلافی کی شکایت کر سکتے) ہیں؟''

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اس کے بیٹے کو دی اور فرمایا کہ اس میں اس کی تکفین کی جائے۔ پھر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے اٹھے تو حضرت عمر نے کہا:

تصلی علیه وهو منافق وقد نهاك اللّٰه ان تستغفر لهم؟

''کیا آپ اس منافق کی نماز جنازہ پڑھائیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے لیے استغفار کرنے سے منع کیا ہے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا:

انما خيرنی اللّٰه فقال استغفر لهم او لا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم فقال سازيده على سبعين۔ (بخاری، رقم ۴۶۷۲)

''اللہ نے مجھے اختیار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کے لیے استغفار کرو چاہے نہ کرو، اگر تم ستر مرتبہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو گے تو اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔ اس لیے میں ستر سے زیادہ مرتبہ اس کے لیے دعا کروں گا۔''

اس کے بعد آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

اس روایت کو متعدد محدثین نے تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

واستشكل فهم التخيير من الاية حتى اقدم جماعة من الاكابر على الطعن فی صحة هذا الحديث مع كثرة طرقه واتفاق الشيخين وسائر الذين خرجوا

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آیت سے اختیار کا مفہوم اخذ کرنا محل اشکال سمجھا گیا ہے، اسی لیے اکابر اہل علم کی ایک جماعت نے، باوجودیکہ اس حدیث کی سندیں بہت سی ہیں اور شیخین اور صحیح احادیث جمع

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

الصحيح علی تصحيحه ..... انكر القاضی ابوبكر صحة هذا الحديث وقال: لا يجوز ان يقبل هذا ولا يصح ان الرسول قاله انتهی۔ ولفظ القاضی ابی بكر الباقلانی فی التقريب: هذا الحديث من اخبار الاحاد التی لا يعلم ثبوتها۔ وقال امام الحرمين فی مختصره: هذا الحديث غير مخرج فی الصحيح۔ وقال فی البرهان: لا يصححه اهل الحديث۔ وقال الغزالی فی المستصفی: الاظهر ان هذا الخبر غير صحيح۔ وقال الداودی الشارح: هذا الحديث غير محفوظ۔

(فتح الباری، ۳۳۸/۸)

کرنے والے دوسرے محدثین اس کے صحیح ہونے پر متفق ہیں، اس حدیث کی صحت پر اعتراض کیا ہے۔ قاضی ابوبکر نے اس حدیث کو صحیح ماننے سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو قبول کرنا جائز نہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما سکتے ہیں۔تقریب میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث ان اخبار آحاد میں سے ہے جن کا ثبوت مشکوک ہے۔امام الحرمین کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح احادیث کے زمرے میں نہیں ہے۔ برہان میں کہتے ہیں کہ اس کو علماء حدیث صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ غزالی ''المستصفی'' میں لکھتے ہیں کہ اس کا غیر صحیح ہونا بالکل واضح ہے۔ شارح داؤدی کہتے ہیں کہ یہ حدیث محفوظ نہیں۔''

امام طحاوی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لان محالا ان يكون الله تعالی ينهی نبيه عن شئی ثم يفعل ذلك الشئی ولا نری هذا الا وهما من بعض رواة الحديث۔ (مشکل الآثار ۱/۱۴)

''یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو کسی کام سے منع کرے اور پھر نبی وہی کام کرے۔ ہمارے خیال میں یہ سراسر کسی راوی کا وہم ہے۔''

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لم يكذب ابراهيم عليه الصلاة والسلام الا ثلاث كذبات۔ (بخاری، رقم ۳۳۵۸)

''ابراہیم علیہ السلام نے (پوری زندگی میں) صرف تین جھوٹ بولے۔''

امام رازی اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لان يضاف الكذب الی رواته اولی من

''انبیا علیہم السلام کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ان يضاف الى الانبياء عليهم الصلاة والسلام۔ (التفسیر الکبیر ۱۸۵/۲۲)

سے بہتر ہے کہ حدیث کے راویوں کو جھوٹا قرار دیا جائے۔‘‘

مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان ياجوج وماجوج ليحفرون السد كل يوم حتى اذا كادوا يرون شعاع الشمس قال الذى عليهم ارجعوا فستحفرونه غدا فيعودون اليه كاشد ما كان حتى اذا بلغت مدتهم واراد اللّٰه عزوجل ان يبعثهم على الناس حفروا حتى اذا كادوا يرون شعاع الشمس قال الذى عليهم ارجعوا فستحفرونه غدا ان شاء اللّٰه فيستثنى فيعودون اليه وهو كهيئته حين تركوه فيحفرونه ويخرجون على الناس۔ (مسند احمد بن حنبل، ۵۱۰/۲)

’’یاجوج وماجوج ذو القرنین کی بنائی ہوئی دیوار کو روزانہ کھودتے ہیں، یہاں تک کہ جب سوراخ میں سے سورج کی کرنیں اندر آنے لگتی ہیں تو ان کا نگران کہتا ہے کہ اب واپس لوٹ چلو، کل ہم اس دیوار کو کھود ڈالیں گے، لیکن اگلے دن وہ آتے ہیں تو دیوار دوبارہ نہایت مضبوطی سے بند ہو چکی ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا، یہاں تک کہ جب ان کی قید کی مدت پوری ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ ان کو لوگوں پر مسلط کرنا چاہیں گے تو ایک دن وہ دیوار کو کھودیں گے اور جب سورج کی کرنیں اندر آنے لگیں گی تو نگران کہے گا کہ اب واپس چلو، ان شاء اللہ کل ہم اس کو کھود لیں گے۔ ان شاء اللہ کہنے کی وجہ سے جب وہ اگلے دن آئیں گے تو دیوار اسی حالت پر ہوگی جس پر وہ کل اسے چھوڑ کر گئے تھے، چنانچہ وہ اس کو کھود کر باہر نکل آئیں گے۔‘‘

یہ روایت بظاہر قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے:

فَمَا اسۡطَاعُوۡٓا اَنۡ یَّظۡهَرُوۡهُ وَمَا اسۡتَطَاعُوۡا لَهٗ نَقۡبًا ۔ (الکہف: ۹۷)

’’نہ وہ اس دیوار کو سر کر سکے اور نہ اس میں سوراخ ہی کر سکے۔‘‘

چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

اسناده جيد قوى ولكن متنه فى رفعه نكارة لان ظاهر الآية يقتضى انهم لم يتمكنوا من ارتقائه ولا من نقبه

’’اس حدیث کی سند بہت عمدہ اور قوی ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس بات کی نسبت کرنا محل اعتراض ہے، کیونکہ قرآن مجید کا ظاہر یہ تقاضا

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

لاحکام بنائه وصلابته وشدته ولکن هذا قد روی عن کعب الاحبار .... ولعل ابا هریرة تلقاه من کعب فانه کان کثیرا ما کان یجالسه ویحدثه فحدث به ابو هریرة فتوهم بعض الرواة انه مرفوع فرفعه ۔ (تفسیر القرآن العظیم۳/۱۰۵)

کرتا ہے کہ یاجوج وماجوج سدِ ذوالقرنین کی مضبوطی، پختگی اور سختی کی وجہ سے نہ اس پر چڑھ سکے اور نہ اس میں نقب لگا سکے۔ یہ روایت اصل میں کعب الاحبار سے مروی ہے جو ابو ہریرہ کے پاس بکثرت بیٹھتے اور انھیں روایات سنایا کرتے تھے۔ غالباً ابو ہریرہ نے یہ روایت ان سے سن کر بیان کی اور راوی نے غلط فہمی سے اس کی نسبت رسول اللہ کی طرف کر دی۔''

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

خلق اللّٰہ التربة یوم السبت وخلق فیها الجبال یوم الاحد وخلق الشجر یوم الاثنین وخلق المکروه یوم الثلاثاء وخلق النور یوم الاربعاء وبث فیها الدواب یوم الخمیس وخلق آدم علیه السلام بعد العصر من یوم الجمعة فی آخر الخلق۔ (مسلم، رقم ۷۰۵۴)

''اللہ نے ہفتے کے دن زمین کی سطح کو پیدا کیا، اتوار کے دن اس میں پہاڑوں کو، پیر کے دن درختوں کو، منگل کے دن بری چیزوں کو اور بدھ کے دن روشنی کو پیدا کیا۔ جمعرات کے دن اس میں چوپایوں کو پھیلا دیا اور سب مخلوقات کے آخر میں جمعے کے دن عصر کے بعد آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

امام ابن القیم کہتے ہیں کہ یہ روایت قرآن مجید کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید کے مطابق آسمان وزمین کی تخلیق چھ دن میں مکمل ہوئی جبکہ یہ روایت یہ بتاتی ہے کہ مدتِ تخلیق سات دن تھی[۱۲]۔ نیز قرآن مجید کی رو سے زمین اور اس کے خزانوں کی تخلیق چار دن میں اور آسمان کی تخلیق دو دن میں مکمل ہوئی، جبکہ مذکورہ روایت میں سات دن میں صرف زمین کی تخلیق کا ذکر ہے اور آسمان کی تخلیق کا سرے سے ذکر ہی نہیں۔ اسی وجہ سے جلیل القدر محدثین نے اس روایت کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ مناوی لکھتے ہیں:

قال الزرکشی : اخرجه مسلم وهو من غرائبه وقد تکلم فیه ابن المدینی والبخاری وغیرهما من الحفاظ

''زرکشی کہتے ہیں کہ یہ روایت امام مسلم کی نقل کردہ غریب روایات میں سے ہے۔ اس میں ابن المدینی، بخاری اور دیگر حفاظ حدیث نے کلام کیا ہے اور کہا ہے

۱۲؎ ابن القیم، المنار المنیف فی الصحیح والضعیف، ص ۸۶۔

وجعلوه من كلام كعب الاحبار وان ابا هريرة انما سمعه منه لكن اشتبه على بعض الرواة فجعله مرفوعا ۔

(فیض القدیر، مناوی ۳/۴۴۸)

کہ یہ دراصل کعب احبار کا کلام ہے جوان سے ابو ہریرہ نے سنا، لیکن کسی راوی کو اشتباہ ہوا اور اس نے اس کی نسبت رسول اللہ کی طرف کر دی۔‘‘

صحیح بخاری میں نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا:

كنا فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم لا نعدل بابى بكر احدا ثم عمر ثم عثمان ثم نترك اصحاب النبى لا نفاضل بينهم۔ (بخاری، رقم ۳۶۹۸)

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم فضیلت کے لحاظ سے سب سے اونچا درجہ حضرت ابوبکر کا سمجھتے تھے، پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان کا۔ اس کے بعد ہم رسول اللہ کے اصحاب میں کسی کی کسی پر کوئی فضیلت نہیں سمجھتے تھے۔‘‘

امام ابن عبدالبر اس پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان هذا الحديث خلاف قول اهل السنة ان عليا افضل الناس بعد الثلاثة فانهم اجمعوا على ان عليا افضل الخلق بعد الثلاثة ودل هذا الاجماع على ان حديث ابن عمر غلط وان كان السند اليه صحيحا۔

(فتح الباری، ۷/۱۶)

’’یہ حدیث اہل سنت کے اس اجماعی قول کے خلاف ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے بعد سیدنا علی سب سے افضل ہیں۔ یہ اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ ابن عمر کی یہ حدیث غلط ہے اگرچہ ان تک اس قول کی سند بالکل صحیح ہے۔‘‘

عقل عام، قیاس اور تجربہ کے خلاف روایات

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خلق الله آدم وطوله ستون ذراعا ..... فلم يزل الخلق ينقص حتى الآن۔

(بخاری، رقم ۳۳۲۶)

’’اللہ نے جب آدم کو پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک مخلوق کا قد برابر چھوٹا ہوتا چلا آ رہا ہے۔‘‘

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

ویشکل علی هذا ما یوجد الآن من آثار الامم السالفة کدیار ثمود فان مساکنهم تدل علی ان قاماتهم لم تکن مفرطة الطول علی حسب ما یقتضیه الترتیب السابق ولا شك ان عهدهم قدیم وان الزمان الذی بینهم وبین آدم دون الزمان الذی بینهم وبین اول هذه الامة ولم یظهر لی الی الآن ما یزیل هذا الاشکال۔

''اس پر یہ اشکال ہے کہ گزشتہ اقوام مثلاً قوم ثمود کے آثار اور ان کی بستیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قد ہمارے قد کے مقابلے میں اتنے لمبے نہیں تھے جتنا کہ حدیث میں بیان کردہ ترتیب تقاضا کرتی ہے۔ ان کا زمانہ بھی بہت قدیم ہے اور ان کے اور آدم علیہ السلام کے مابین زمانی فاصلہ اس سے کم ہے جو ان کے اور اس امت کے دور اول کے مابین ہے۔ تاحال میرے سامنے کوئی ایسی توجیہ نہیں آئی جس سے یہ اشکال زائل ہو جائے۔''

(فتح الباری، ۶/۳۶۷)

ابن خلدون نے بھی اسی بنیاد پر اس روایت کو رد کیا ہے۔[١٣]

صحیح بخاری میں عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا اور دوسرے بندروں نے جمع ہو کر اس کو سنگسار کیا۔[١٤]

حافظ ابن عبد البر اس حدیث پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فیها اضافة الزنا الی غیر مکلف واقامة الحد علی البهائم وهذا منکر عند اهل العلم قال فان کانت الطریق صحیحة فلعل هولاء کانوا من الجن لانهم من جملة المکلفین۔ (فتح الباری ۷/۱۶۰)

''میں زنا کی نسبت غیر مکلّف کی طرف کی گئی ہے اور جانوروں پر حد لگانے کا ذکر ہے اور اہل علم کے نزدیک یہ بات بعید از قیاس ہے۔ اگر اس کی سند صحیح ہے تو پھر غالباً یہ جن ہوں گے، کیونکہ وہ بھی مکلفین میں شامل ہیں۔''

محدث ابن الجوزی نے بھی اسی بنیاد پر اس روایت کو مردود قرار دیا ہے۔[١٥]

---

١٣ فیض الباری، انور شاہ کشمیری ۴/۱۶۔

١٤ بخاری، رقم ۳۸۴۹۔

١٥ فیض الباری ۴/۷۶۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سنن نسائی میں حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

ان الشمس و القمر لا ینکسفان لموت احد و لا لحیاته و لکنهما آیتان من آیات اللّٰه عز و جل ان اللّٰه عز و جل اذا بدا لشئی من خلقه خشع له۔ (نسائی، رقم ۱۴۸۶)

''سورج اور چاند کو کسی کی موت یا حیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ یہ تو اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ گرہن لگنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنی مخلوقات میں سے کسی پر اپنی تجلی ڈالتے ہیں تو وہ خشوع و عجز کا اظہار کرتی ہے۔''

ابن حجر اس پر امام غزالی کا تبصرہ نقل کرتے ہیں کہ:

انها لم تثبت فیجب تکذیب ناقلها قال: ولو صحت لکان تاویلها اهون من مکابرة امور قطعیة لا تصادم اصلا من اصول الشریعة۔ (فتح الباری ۲/۵۳۷)

''یہ بات ثابت نہیں، لہٰذا اس کے راوی کی تکذیب لازم ہے۔ اگر روایت صحیح بھی ہو تو اس کی تاویل کرنا ان قطعی امور کے بے جا انکار سے بہتر ہے جو شریعت کی کسی اصل سے نہیں ٹکراتے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سنن ابی داؤد میں حضرت علی سے بکریوں کی زکوٰۃ کے نصاب کے بیان میں ایک روایت مروی ہے جس میں ذکر ہے کہ اگر بکریوں کی تعداد پچیس ہو تو ان میں سے پانچ بکریاں زکوٰۃ کے طور پر وصول کی جائیں۔[16]

جانوروں کی زکوٰۃ کے معروف نصاب کے حساب سے پچیس بکریوں میں پانچ بکریوں کی زکوٰۃ بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ امام سفیان ثوری اس پر انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کان افقه من ان یقول ذالك۔ (کتاب الاموال، ابوعبید ۳۶۳)

''سیدنا علی فقہ و فہم کے لحاظ سے اس سے کہیں بلند ہیں کہ ایسی کمزور بات فرمائیں۔''

تاریخی قرائن کے خلاف روایات

صحیح بخاری میں حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ بن ابی کے حامیوں اور صحابۂ کرام کے مابین جھگڑا ہو گیا جس پر یہ آیت اتری:

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا۔ (الحجرات ۴۹:۹)

''اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کرا دو۔''[17]

---

[16] ابی داؤد، رقم ۱۵۷۲۔

محدث ابن بطال فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس واقعہ کے متعلق نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس میں دو مومن گروہوں میں صلح کرانے کا ذکر ہے، جبکہ روایات کے مطابق عبداللہ بن ابی اور اس کا گروہ اس وقت تک علانیہ کافر تھا۔[18]

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ ابوسفیان کے اسلام قبول کرنے کے باوجود مسلمان نہ ان کی طرف توجہ کرتے تھے اور نہ ان کے پاس بیٹھتے تھے۔ انھوں نے یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ اپنی بیٹی ام حبیبہ کا نکاح آپ کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔[19]

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام حبیبہ کے ساتھ نکاح فتح مکہ سے بہت پہلے ہو چکا تھا، جبکہ ابوسفیان ابھی ایمان نہیں لائے تھے۔ لہٰذا اس روایت کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔[20]

جامع ترمذی میں واقعۂ افک کی روایت میں ذکر ہے کہ سیدہ عائشہ پر الزام لگانے والوں میں حضرت حسان بن ثابت بھی شامل تھے اور ان پر حدِ قذف جاری کی گئی تھی۔[21]

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں، کیونکہ حضرت حسان نے اپنے اشعار میں سیدہ عائشہ کی عفت و عصمت کا دفاع کیا ہے اور اس الزام سے اپنی برأت کا اعلان کیا ہے:

والعبرة عندی باخذ قول حسان نفسه ولا عبرة بما یذاع بین الناس ویشاع فان حال الخبط فی الاخبار معلوم وبالجملة نسبة القذف الیه عندی خلاف التحقیق وکذا من جعله مصداقا لقوله والذی تولی کبره باطل عندی۔ (فیض الباری ۴/۱۰۷۔۲۱۶)

”میرے نزدیک خود حضرت حسان کے بیان پر اعتماد کرنا چاہیے۔ لوگوں کے مابین جو باتیں مشہور ہو جاتی ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ روایات میں واقع ہونے والی گڑبڑ کا حال معلوم ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حسان کی طرف قذف کی نسبت میرے نزدیک خلافِ تحقیق ہے، اسی طرح ان کو والذی تولی کبره کا مصداق قرار دینا میرے نزدیک بالکل بے بنیاد ہے۔“

---

۱۷ بخاری، رقم ۲۶۹۱۔

۱۸ فتح الباری ۵/۲۹۹۔

۱۹ مسلم، رقم ۶۴۰۹۔

۲۰ الامیر الیمانی، توضیح الافکار ۱/۱۲۸، ۱۲۹۔

۲۱ ترمذی، رقم ۳۱۸۰۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فقہا اور نقد درایت

ہماری علمی روایت میں حدیث کے نقدِ درایت کی بحث خاص طور پر ان روایات کے بارے میں پیدا ہوئی جو فقہی احکام کا ماخذ بن سکتی ہیں۔ اس ضمن میں اہلِ علم کے ہاں معرکہ آرا بحثیں موجود ہیں۔ ایک طرف شوافع اور حنابلہ ہیں جن کے نزدیک، بالعموم، کسی حدیث کو ماخذِ حکم بنانے اور اس پر عمل کرنے کے لیے محض اس کا سنداً صحیح ہونا کافی ہے اور دین کے دیگر اصولوں یعنی قرآن، سنت اور قیاس پر اس کو پرکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ابن السمعانی فرماتے ہیں:

متی ثبت الخبر صار اصلا من الاصول ولا یحتاج الی عرضه علی اصل آخر لانه ان وافقه فذاك وان خالفه فلا یجوز رد احدهما لانه رد للخبر بالقیاس وهو مردود باتفاق فان السنة مقدمة علی القیاس بلا خوف۔ (فتح الباری ۴/۳۶۶)

”روایت جب (سنداً) ثابت ہو جائے تو وہ بذات خود ایک اصل بن جاتی ہے اور اسے دوسرے اصولوں پر پرکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، کیونکہ اگر روایت کسی دوسرے اصول کے موافق ہو تو درست، اور اگر خلاف ہو تو اس کی بنا پر روایت کو رد کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ تو قیاس کے مقابلے میں حدیث کو رد کرنا ہے جو کہ بالاتفاق درست نہیں، اس لیے کہ سنت بہر حال قیاس پر مقدم ہے۔“

دوسری طرف فقہاے حنفیہ اور مالکیہ ہیں جن کے نزدیک صحت سند کے علاوہ روایت کے درایتی نقد کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے اور اس حوالے سے ان کے ہاں مفصل بحثیں ملتی ہیں۔

امام شاطبی اس ضمن میں ایک اصولی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذا القسم علی ضربین : احدهما ان تکون مخالفته للاصل قطعیة فلا بد من رده۔ والآخر ان تکون ظنیة اما بان یتطرق الظن من جهة الدلیل الظنی واما من جهة کون الاصل لم یتحقق

”ظنی دلیل اگر قطعی دلیل کے مخالف ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اس کا اصل کے مخالف ہونا قطعی ہو، اس صورت میں اس کو رد کرنا لازم ہے۔ دوسری یہ کہ اس کا اصل کے خلاف ہونا ظنی ہو، یا تو اس لیے کہ اصل کے ساتھ اس کی مخالفت ظنی ہے اور یا اس لیے کہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

كونه قطعيا وفى هذا الموضع مجال للمجتهدين ولكن الثابت فى الجملة ان مخالفة الظنى لاصل قطعي يسقط اعتبار الظنى على الاطلاق وهو مما لا يختلف فيه۔

اصل کا قطعی ہونا متحقق نہیں ہوا۔ اس دوسری صورت میں مجتہدین کے لیے اختلاف کی گنجایش ہے۔ لیکن اصولی طور پر یہ بات طے شدہ ہے کہ ظنی کا قطعی کے مخالف ہونا ظنی کو ساقط الاعتبار کر دیتا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔“

”اصول السرخسی“ میں امام سرخسی نے ان اصولوں پر بالتفصیل بحث کی ہے جو خبر واحد کو پرکھنے کے لیے معیار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

فاما القسم الاول وهو ثبوت الانقطاع بدليل معارض فعلى اربعة اوجه :اما ان يكون مخالفا لكتاب الله تعالى او السنة المشهورة عن رسول الله او يكون حديثا شاذا لم يشتهر فى ما تعم به البلوى ويحتاج الخاص والعام الى معرفته او يكون حديثا قد اعرض عنه الائمة من الصدر الاول بان ظهر منهم الاختلاف فى تلك الحادثة ولم تجر بينهم المحاجة بذلك الحديث۔

(اصول السرخسی ۱/۳۶۴)

”کسی دوسری دلیل کے ساتھ تعارض کے اعتبار سے روایت کے منقطع ہونے کی چار صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ روایت کتاب اللہ کے خلاف ہو۔ دوسری یہ کہ رسول اللہ کی سنت مشہورہ کے خلاف ہو۔ تیسری یہ کہ عموم بلویٰ میں کوئی شاذ اور غیر مشہور حدیث وارد ہو، حالانکہ اس کی معرفت ہر خاص وعام کو ہونی چاہیے۔ چوتھی یہ کہ کوئی ایسی حدیث ہو جس سے صدر اول کے ائمہ نے اعراض کیا ہو، یعنی ان کے مابین اس مسئلے کے بارے میں بحث ہوئی ہو، لیکن اس حدیث سے انھوں نے استدلال نہ کیا ہو۔“

ایک دوسری بحث میں لکھتے ہیں:

اذا انسد باب الراى فى ما روى وتحققت الضرورة بكونه مخالفا للقياس الصحيح فلا بد من تركه۔

(نفس المصدر ۱/۳۴۱)

”جب کسی روایت کے ماننے سے رائے کا باب بالکل بند ہوتا ہو اور ہر پہلو سے واضح ہو جائے کہ وہ قیاس صحیح کے مخالف ہے تو اس کو چھوڑ نا لازم ہے۔“

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مخالف قرآن روایات

احناف اور مالکیہ کے نزدیک قرآن مجید کے ساتھ موافقت، حدیث کی قبولیت کی پہلی اور بنیادی شرط ہے۔ سرخسی اس اصول کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

اذا کان الحدیث مخالفا لکتاب اللّٰہ تعالی فانہ لا یکون مقبولا و لا حجۃ للعمل بہ عاما کانت الآیۃ او خاصا نصا او ظاھرا عندنا علی ما بینا ان تخصیص العام بخبر الواحد لا یجوز ابتداء و کذلک ترک الظاھر فیہ والحمل علی نوع من المجاز لا یجوز بخبر الواحد عندنا۔ (نفس المصدر ۱/۳۶۴)

''اگر حدیث کتاب اللہ کے خلاف ہو تو ہمارے نزدیک وہ قابل قبول اور عمل کے لیے حجت نہیں ہو سکتی، چاہے آیت عام ہو یا خاص، ظاہر ہو یا نص۔ ہم بتا چکے ہیں کہ کتاب اللہ کے عام حکم کو خبر واحد کی بنا پر خاص کرنا یا اس کے ظاہری مفہوم کو خبر واحد کی وجہ سے کسی مجازی معنی پر محمول کرنا جائز نہیں ہے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فقہا احناف نے اس اصول پر جن روایتوں کو رد کیا ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

جامع ترمذی میں بسرۃ بنت صفوان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من مس ذکرہ فلا یصل حتی یتوضا۔ (ترمذی، رقم ۸۲)

''جو آدمی اپنی شرم گاہ کو چھوئے، اسے چاہیے کہ وہ وضو کرے۔''

سرخسی فرماتے ہیں کہ یہ روایت قرآن کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید میں مسجد قبا کے نمازیوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فِیۡہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّتَطَھَّرُوۡا۔ (التوبہ ۹: ۱۰۸)

''اس میں ایسے مرد ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ خوب طہارت حاصل کریں (یعنی پانی سے استنجا کریں)۔''

ظاہر ہے کہ پانی سے استنجا شرم گاہ کو ہاتھ لگائے بغیر نہیں ہو سکتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو طہارت حاصل کرنے سے تعبیر کیا ہے جبکہ مذکورہ حدیث میں، اس کے برخلاف، مس ذکر کو نقض طہارت کا سبب قرار دیا گیا ہے، اس لیے یہ حدیث قابل قبول نہیں۔[22]

سنن ابی داؤد میں فاطمہ بنت قیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ ایسی عورت کا نفقہ دوران عدت میں

خاوند کے ذمے واجب نہیں جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں۔[۲۳]

سرخسی فرماتے ہیں کہ یہ روایت قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے:

اَسۡکِنُوۡھُنَّ مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِکُمۡ۔ (الطلاق ۶۵:۶)	''تم ان کو اپنی طاقت کے مطابق وہیں ٹھیراؤ جہاں تم خود ٹھیرتے ہو۔''

آیت میں 'اسکنوھن' سے مراد 'انفقوھن' ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دورانِ عدت میں بیوی کا نفقہ خاوند کے ذمہ ہے، لہٰذا مذکورہ حدیث کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔[۲۴]

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مقدمات میں ایک گواہ اور قسم کی بنیاد پر مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔[۲۵]

اپنے ظاہر کے لحاظ سے یہ روایت کتاب اللہ کے اس حکم کے منافی ہے:

وَاسۡتَشۡھِدُوۡا شَھِیۡدَیۡنِ مِنۡ رِّجَالِکُمۡ۔ (البقرہ ۲: ۲۸۲)	''اور اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ بناؤ۔''

چنانچہ امام جصاص فرماتے ہیں:

انها لو وردت من طرق مستقيمة تقبل اخبار الآحاد فى مثلها وعريت من ظهور نكير السلف على رواتها واخبارهم انها بدعة لما جاز الاعتراض بها على نص القرآن اذ غير جائز نسخ القرآن باخبار الآحاد۔ (احکام القرآن ۱/۷۰۷)	''یہ روایت اگر ایسی صحیح سندوں سے بھی مروی ہوتی جن کے ساتھ اخبار آحاد قابلِ قبول ہوتی ہیں اور اس کے راویوں پر سلف نے اعتراض بھی نہ کیا ہوتا اور نہ یہ کہا ہوتا کہ یہ طریقہ بدعت ہے تب بھی اس کو قرآن کی نص کے مقابلے میں پیش کرنا درست نہیں تھا، کیونکہ اخبار آحاد کی بنیاد پر کتاب اللہ کے حکم کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے۔''

فقہا مالکیہ کے ہاں اس اصول کے استعمال کی مثالیں یہ ہیں:

۲۲؎ اصول السرخسی ۱/۳۶۵۔

۲۳؎ ابی داؤد، رقم ۲۲۹۱۔

۲۴؎ اصول السرخسی ۱/۳۶۵۔

۲۵؎ مسلم، رقم ۴۴۷۲۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من مات وعليه صيام صام عنه وليه۔ (بخاری، رقم ۱۹۵۲)

''جو آدمی فوت ہو جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔''

امام مالک اس حدیث پر عمل نہیں کرتے۔ شاطبی اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لمنافاته للاصل القرآنی الکلی نحو قوله تعالی: اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ (الموافقات ۳/۲۲)

''کیونکہ یہ قرآن کے بیان کردہ اس ضابطہ کلیہ کے خلاف ہے کہ کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور یہ کہ انسان کے لیے وہی عمل کارآمد ہیں جو اس نے خود کیے ہوں۔''

وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جب تک بچہ پانچ یا دس مرتبہ کسی عورت کا دودھ نہ پی لے، حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی،[۲۷] امام مالک ان کو قبول نہیں کرتے۔ شاطبی فرماتے ہیں:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ولم یعتبر فی الرضاع خمسا ولا عشرا للاصل القرآنی فی قوله: وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔ وفی مذهبه من هذا کثیر۔ (الموافقات ۳/۲۳)

''امام مالک رضاع میں پانچ یا دس مرتبہ کا اعتبار نہیں کرتے، کیونکہ یہ قرآن کی اس آیت کے (عموم کے) خلاف ہے: وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ اور ان کے مذہب میں اس اصول کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔''

(باقی)

---

۲۷ مسلم، رقم ۳۵۹۷۔